بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله ، والصلاة والسلام على رسول الله ، وعلى آله وصحبه ومن والاه، أمّا بعد:

آج کے محاضرہ کا عنوان ہے ”طلبۂ حدیث کے لیے چند ضروری اور اہم باتیں“۔

(بندۂ ہیچ مدہ اس قابل ہرگز نہیں تھا کہ طلبۂ علوم نبوت کو کچھ نصائح کرے، مگر ذمہ دارانِ مدرسہ کے حکم کی تعمیل میں چند معلومات جو اپنے اساتذہ ومشائخ کی صحبت سے، اور متقدمین ومتأخرین کے کتب کے مطالعے سے حاصل کی تھی، بیان کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمام کو نفع پہنچائے۔آمین۔

گذشتہ کل میں نے آپ کے سامنے ”الرحلة في طلب ا لحديث“ کے عنوان پر کچھ گفتگو کی تھی، جس میں آپ نے متقدمین ومتأخرین کی مساعی، عرق ریزی اور تگ ودو کے بارے میں بہت کچھ سنا، نوٹ کیا، یاد کیا اور آپ میں کچھ جذبات بھی پیدا ہوئے ہوں گے، لیکن ایک بات یاد رکھیں کہ ”الرحلة في طلب الحديث“ میں جن حضرات کی مساعی کا میں نے آپ کے سامنے تذکرہ کیا ہے، اُن میں سے ہر شخص اپنے فن میں ماہر، علومِ عالیہ وآلیہ میں بصیرت رکھنے والا، بَطَل من الأبطال اور عَلَم من الأعلام تھا، جہاں یہ حضرات علومِ قرآن وسنّت میں مہارت رکھتے تھے، وہیں وہ قرآن وحدیث کی فہم کے لیے جو مقدّمات ہوتے ہیں، یعنی نحو وصرف، منطق وکلام وغیرہ فنون میں بھی ماہر ہوتے تھے۔

یہ بات میں اِس لیے کہہ رہا ہوں کہ ممکن ہے کہ آپ میں سے کوئی شخص ”الرحلة

في طلب الحديث" والے محاضرے سے متأثر ہوکر اجازتِ حدیث کے لیے آج ہی سے کوشش کرنے لگے، حالاں کہ نحو وصرف، منطق ومعانی وغیرہ علوم میں اُسے پختگی نہیں ہے، تو یاد رکھیں! ایسے شخص کے لیے اجازتِ حدیث وغیرہ کے حصول میں لگنا مفید وکارگر نہیں ہے؛ بلکہ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص بغیر سیڑھی کے چھت پر چڑھنے کی کوشش کرے۔

ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے، اور ہر وقت کا ایک کام ہوتا ہے، اس لیے ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم سب سے پہلے درسیات میں استحکام اور پختگی پیدا کریں، آپ کے مدرسہ میں ذمہ دارانِ مدرسہ کی جانب سے جو ترتیب ہے، خواہ وہ کسی بھی جہت سے ہو، آپ میں سے ہر شخص یہ کوشش کرے کہ وہ جامعہ کی ترتیب پر سو فیصد پورا اُترے، اگر کوئی شخص ۹۹ ر فیصد کامیاب ہے اور اس میں ایک فیصد کی کمی ہے، تو اُسے اوّلاً اِس ایک فیصد کمی کو ختم کرنے کی ضرورت ہے، اس لیے کہ یہ آپ کے لیے خشتِ اوّل کی حیثیت رکھتی ہے۔

خشتِ اوّل چوں نہد، معمار کج — تا ثریا می رَوَد، دیوار کج

اگر آپ نے علومِ نحو وصرف میں پختگی پیدا نہیں کی تو گویا آپ نے بنائے علم کی پہلی اینٹ ٹیڑھی رکھی، بایں صورت دورۂ حدیث تک آپ کی یہ عمارت ٹیڑھی ہی رہے گی، اور یہ ٹیڑھا پن آپ کو دورۂ حدیث تک تو محسوس ہوگا ہی، مگر بعد میں تاحینِ حیات اِس کمی کا احساس ہوتا رہے گا، بشرطیکہ آپ میں حِس ہو، بہر حال! درسیات میں استحکام وپختگی از حد واز بس ضروری ہے۔

بعض ساتھیوں کو دیکھا کہ وہ درسیات کو چھوڑ کر غیر درسی کتب کا مطالعہ کثرت سے کرتے ہیں، یہ بھی طلبہ کے لیے بے حد مُضر ہے، مطالعہ بہت اچھی چیز ہے، بشرطیکہ اصول

کے ساتھ ہو، مطالعہ دو دھاری تلوار ہے، بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے، آپ کوئی ایسا لیٹریچر نہ پڑھیں جو آپ کے ایمان وعقیدہ کو متأثر کردے، اِسی طرح آپ فرض وواجب مطالعہ کو چھوڑ کر مستحبات کا مطالعہ نہ کریں۔

مطالعہ کا سب سے بنیادی اصول یہ ہے کہ آپ اوّلاً کسی ماہر تجربہ کار استاذ کی رہنمائی میں مطالعہ کریں، نیز دورانِ مطالعہ جن جدید ومشکل کلمات سے آپ گذر رہے ہیں، اُن کلمات کو حل کرتے ہوئے اور مہمّات (اہم اقتباسات) کو نوٹ کرتے ہوئے چلیں، ورنہ آپ کا مطالعہ مُنتج، مفید اور کارگر نہیں ہوگا۔

بعض حضرات ناول کے ہزاروں صفحات کا مطالعہ کرتے ہیں، مگر اِس کے باوجود اُن کی زبان میں سلاست، فصاحت اور نکھار پیدا نہیں ہوتا، اِس لیے کہ وہ الفاظ سے زیادہ معانی کو اہمیت دیتے ہیں، حالاں کہ ایک مبتدی طالبِ علم کے لیے معانی سے زیادہ الفاظ اہمیت رکھتے ہیں، یہ شعر ؎

صیّاد کو مطلب ہے گوہر سے، نہ صدف سے      الفاظ کے پیچوں میں اُلجھتے نہیں دانا

مبتدی طالب علم کے لیے نہیں ہے، لہٰذا دورانِ مطالعہ کوئی نیا کلمہ آپ کے سامنے آئے تو آپ اُس وقت تک آگے نہ بڑھیں جب تک اُس کے معنی اور ضبط آپ کو معلوم نہ ہو جائے۔

بہر حال! اوّلاً اپنا مکمل وقت درسیات میں صرف کریں، پھر اگر وقت میں گنجائش ہو تو کسی ماہر استاذ کی نگرانی میں اصول وضوابط کے ساتھ غیر درسی کتب کا ایسا مطالعہ کریں، جو آپ کے لیے مفید و مُنتج ہو۔

## آمدم برسرِ مطلب:

بہرحال! آج کے محاضرے کا عنوان ہے: طلبۂ حدیث کے لیے چند ضروری اور اہم باتیں۔ پہلے ہم حدیث وسنت کے معنی سمجھتے ہیں۔

## حدیث وسنّت کے معنی:

الحدیث: عربی زبان کا لفظ ہے، فراہیدی کی معجم العین، جوہری کی الصحاح اور زَبیدی کی تاج العروس وغیرہ میں ہے: الحديث نقيض القديم، (الحدیث، القدیم کی ضد ہے) یا الجديد من الأشياء، یعنی الحدیث بمعنی: نیا، اور القدیم بمعنی: پُرانا، کہتے ہیں: أخذني ما قدُم و ما حدث (ہرنئی، پرانی چیز نے، بالفاظِ دیگر گذشتہ وموجودہ حالات نے مجھے آگھیرا)۔

السنة کے لغوی معنی ہے: طریقہ۔

## حدیث کی اصطلاحی تعریف:

حدیث وسنت کی تعریف محدثین کے نزدیک الگ ہے، فقہاء کے نزدیک الگ ہے، اصولیین کے نزدیک الگ ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ واعظین کے نزدیک بھی الگ ہے۔

محدثین کے نزدیک مشہور ومعروف تعریف یہ ہے: الحديث ما صدر عن النبي ﷺ من غير القرآن من قولٍ أو فعلٍ أو تقرير. (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال، اعمال اور تقریرات کو حدیث کہا جاتا ہے)۔

اقوال؛ جیسے: من حسن إسلام المرء ترکه ما لا یعنیه، لا ضرر ولا ضرار، من کذب علي متعمِّداً فلیتبوأ مقعده من النار.

افعال جیسے: کیفیتِ صلوٰۃ اور کیفیتِ وضوو غسل سے متعلق احادیث۔

تقریر جیسے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دسترخوان پر خالد بن ولیدؓ نے گوہ کھائی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکوت اختیار کیا، انکار نہیں کیا، اِس سے گوہ کو کھانے کا جواز ثابت ہوا، (اگرچہ بذاتِ خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِسے پسند نہیں فرمایا ہے)۔

## صفات خُلقیہ وصفات خِلقیہ:

بعض محدثین نے کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفاتِ خُلقیہ اور صفاتِ خِلقیہ (خواہ وہ بعثت سے قبل کی ہوں یا بعثت کے بعد کی) بھی حدیث میں شامل ہیں۔ صفاتِ خُلقیہ میں؛ جیسے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صبر، تواضع، غیروں کے ساتھ سلوک وغیرہ سے متعلق احادیث وآثار۔ اور صفاتِ خِلقیہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شمائل سے متعلق ساری احادیث داخل ہیں۔

## همُّ الرسول:

بعض حضرات نے ہم رسول (یعنی ارادۂ رسول) کو بھی حدیث کی تعریف میں داخل کیا ہے، جیسے: امام شافعیؒ نے کتاب الأم [1] میں ایک حدیث سے جو حکم مستنبط کیا ہے، اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ بھی حدیث ہے، چناں چہ آپ نے استسقاء سے متعلق روایت ذکر کی، جس میں یہ صراحت ہے کہ آپ

---

(۱) ۱/۲۸۷۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابۂ کرام کے ساتھ میدان میں نکلے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوب دعا کی، اور دعا میں اتنے ہاتھ اٹھائے کہ بغل مبارک کی سفیدی نظر آنے لگی، اُس کے بعد حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چادر مبارک کے اسفل کو اعلیٰ اور اعلیٰ کو اسفل کرنا چاہا، یعنی نیچے والے حصہ کو اوپر اور اوپر والے حصہ کو نیچے کرنا چاہا (جو احوال میں تبدیلی کے لیے نیک فالی تھا) "ولکن ثقلت" (لیکن یہ آپ کے لیے مشکل ہوا)، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چادر کی داہنی جانب کو بائیں جانب اور بائیں جانب کو داہنی جانب کر دیا، اِس پر امام شافعیؒ فرماتے ہیں: چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اوّلاً اعلیٰ کو اسفل اور اسفل کو اعلیٰ کرنے کا ارادہ کیا، اِس لیے یہی ہمارے نزدیک سنّت ہے۔

## اشارۂ رسول:

بعض حضرات نے اشارۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی حدیث میں شامل کیا ہے، چناں چہ جمع الجوامع جو علامہ تاج الدین سبکیؒ کی کتاب ہے، علامہ محلّی شافعیؒ نے اس کی شرح لکھی ہے، اور پھر اس پر علامہ بُنانیؒ نے حاشیہ لکھا ہے، جو "حاشیۃ البنانی علی شرح الجوامع" کے نام سے مشہور ہے، چناں چہ علامہ بنانیؒ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے اشارۂ رسول کو بھی حدیث کی تعریف میں داخل کیا ہے، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ مسجدِ نبوی میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے ابن ابی حدرد سے قرض کا مطالبہ کیا، اِس پر دونوں میں کچھ اَن بَن ہو گئی، اور دونوں کی آوازیں بلند ہوئیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے حجرے سے پردہ اُٹھا کر نصف قرض کے معاف کر دینے کا اشارہ کیا، تو حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے محض اشارۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کرتے ہوئے معاف کر دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابنِ ابی حدرد سے فرمایا: "قم فاقضه" (جاؤ

اورقرض ادا کردو)۔

## حدیث وسنّت میں فرق:

کیا اِن دونوں میں ترادف واجتماع ہے یا تناقض وافتراق؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں کلمات بہ چندوجوہ مترادف اور بہ چندوجوہ متناقض ہیں۔

## مواضعِ ترادف واجتماع:

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال، اعمال اور آپ کی تقریرات کو جیسے ہم حدیث کہتے ہیں، سنّت بھی کہتے ہیں۔

(۲) فرقۂ ناجیہ، فرقۂ منصورہ اور فرقۂ غالبہ کو جیسے ہم اہل سنّت کہتے ہیں، وہاں اہل حدیث بھی کہتے ہیں۔

(۳) وہ کتب جن میں آثارِ مرفوعہ اور آثارِ موقوفہ وغیرہ کو جمع کیا گیا ہے، اُن کو ''کتب الحدیث'' بھی کہا جاتا ہے، اور ''کتب السنة'' بھی۔

## مواضعِ تناقض وافتراق

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت شدہ طریق کو ہم سنت کہتے ہی، جو بدعت کی ضد ہے، اُسے ہم حدیث نہیں کہتے۔

حافظ ابنِ عساکرؒ نے تاریخِ دمشق میں نقل کیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے تھے: سفيان الثوري إمام في الحديث وليس بإمام في السنة، والأوزاعي إمام في السنة وليس بإمام في الحديث، ومالك بن أنس

إمام فيهما جميعاً.(۱) معلوم ہوا کہ حدیث وسنّت میں فرق ہے۔

فتاویٰ ابن الصلاح (۲) میں مذکور ہے:

ابن صلاح سے پوچھا گیا: بعض حضرات امام مالک کے بارے میں کہتے ہیں: "إنه جمع بين السنة والحديث، فما الفرق بين السنة والحديث؟" تو ابن صلاح نے فرمایا: "السنة هٰهنا ضد البدعة" (سنّت: بدعت کی ضد ہے) پھر آگے فرماتے ہیں: "وقد يكون الإنسان من أهل الحديث وهو مبتدع" (بعض انسان اہلِ حدیث یعنی محدثین میں سے ہوتا ہے، مگر اِس کے باوجود وہ مبتدع ہوتا ہے) اس لیے کہ وہ سنّت یعنی: "الطريقة المسلوكة في الدين" کا مخالف ہے۔

(۲) جب ہم احادیث پر حکم لگاتے ہیں تو "حدیث صحیح، حدیث ضعیف اور حدیث حسن" وغیرہ کہتے ہیں، ایسے موقع پر "السنة" کا لفظ استعمال نہیں کرتے۔

## علم حدیث کے اقسام:

حدیث کی مختلف اعتبارات سے مختلف اقسام ہیں، اِن تمام اقسام کو آپ پڑھیں گے، بلکہ پڑھ چکے ہوں گی، میں یہاں "علم الحدیث" کی تقسیم ذکر کرتا ہوں، جسے علامہ ابن الاکفانیؒ نے اپنی کتاب "إرشاد القاصد إلى أسنى المقاصد" میں ذکر کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: "علم الحدیث" کی دو قسمیں ہیں: (۱) علم الروایۃ (۲) علم الدرایۃ۔

---

(۱) تاریخ دمشق: ۳۵ / ۱۸۳، دار الفکر بیروت۔

(۲) ۱ / ۲۱۳ [۵۷]۔

علامہ ابن الاکفانیؒ فرماتے ہیں:

علم الرواية علم بنقل أقوال النبي ﷺ وأفعاله بالسماع المتصل وضبطها وتحريرها.

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال وافعال کو سماعِ متصل سے نقل کرنے، اوران کو ضبط وتحریر میں لانے کا نام علم الروایۃ ہے)۔

وعلم الدراية علم يتعرف منه أنواع الرواية وأحكامها وشروط الرواة وأصناف المرويات واستخراج معانيها.

(وہ علم جس سے روایت کے انواع واحکام، رُواۃ کے شرائط، مرویات کی انواع اوراُن کے معانی معلوم ہوں)۔(۱)

حدیث کی جملہ اقسام ان دونوں قسموں سے متفرع ہوتی ہیں۔

نیز علامہ ابن الاکفانیؒ فرماتے ہیں:

علم الحدیث کے لیے وہ تمام علوم ضروری ہیں جو علمِ تفسیر کے لیے ضروری ہیں، یعنی لغت، نحو، صرف، معانی، بدیع، اصول اور رُواۃ کے تراجم کی معرفت۔(۲)

بہرحال! حدیث کی جملہ اقسام مذکورہ دونوں قسموں کی شاخیں ہیں، علامہ ابن الصلاحؒ نے "مقدمۃ ابن الصلاح" (جس کا نام معرفۃ أنواع علم الحدیث ہے) کے مقدمے میں حدیث کی ۶۵/ اقسام بیان کی ہیں۔ اخیر میں فرماتے ہیں: "وذلك

---

(۱) إرشاد القاصد: ص۷۷، ۷۸۔

(۲) إرشاد القاصد: ص۷۸

آخرها" (یہ میرے استقراء کے مطابق آخری قسم ہے)، وليس بآخر الممكن في ذلك ، فإنه قابل للتنويع إلى ما لا يحصى.

(یہ آخری حد نہیں ہے، اگر کوئی مزید انواع بیان کرنا چاہے تو کرسکتا ہے، بشرطیکہ تنویعِ عقلی کا شکار نہ ہے۔یعنی اگر کوئی اپنی عقل سے اِن انواع میں میں اضافہ کرے تو صحیح نہیں ہے)۔یہ "ولكنه نصب من غير أرب "یعنی اگر کوئی تنویع عقلی کرے تو بے مقصد کام ہے۔

البتہ متقدمین کی کتب میں کسی نوع کی طرف اشارہ ہو اور اُسے ابن الصلاح وغیرہ نے بیان نہ کیا ہو، تو اُسے بیان کرنے کی گنجائش ہے۔نیز حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں:

وما من حالة منها ولا صفة إلا وهي بصدد أن تفرد بالذكر وأهلها.

(یعنی اِن میں سے ہر نوع مستقل بیان کرنے کے قابل ہے)۔(۱)

بہرحال! پھر علامہ زرکشیؒ نے ابن الصلاح کی بیان کردہ انواع پر آٹھ انواع کا اضافہ کیا، پھر علامہ بلقینی نے اِن پر پانچ انواع کا اضافہ کیا، پھر حافظ ابن حجرؒ نے اپنی نکت میں ۳۵/انواع کے اضافے کا وعدہ کیا تھا، مگر آپ کو معلوم ہے کہ حافظؒ اپنی نُکت تکمیل نہ کرسکے، جس کی وجہ سے ۳۵/انواع کا ذکر النکت میں نہیں ہے، پھر علامہ سیوطیؒ نے ۱۸/ انواع کا اضافہ کیا، اِس طرح حدیث کی انواع کی تعداد تقریباً ۱۰۰/تک پہنچ جاتی ہے۔

چھٹی صدی کے مشہور محدث علامہ حازمیؒ نے اپنی کتاب "عجالة المبتدي

---

(۱) مقدمۃ ابن الصلاح: ص۱۱-ت: عتر-

وفضالة المنتهي في النسب" میں لکھا ہے:

علم الحديث يشتمل على أنواع كثيرة تقرب من مئة نوع...، وكل نوع منها علم مستقل، لو أنفد الطالب فيه عمره، لما أدرك نهايته.

(علم حدیث کی بہت سی قسمیں ہیں جن کی تعداد سو تک پہنچتی ہے، ہر نوع مستقل علم ہے، اگر کوئی طالب حدیث ایک نوع میں اپنی عمر کھپا دے تب بھی اُس کی انتہاء کو نہیں پہنچ سکتا)۔

پھر آپؒ فرماتے ہیں:

ولكن المبتدي يستطرف من كل نوع لأنها أصول الحديث، ومتى جهل الطالب الأصول تعذّر عليه طريق الوصول.

(مبتدی کو ہر نوع میں سے کچھ حاصل کر لینا چاہیے، اس لیے کہ یہ حدیث کے اصول ہیں، جب طالب اصولِ حدیث سے ناواقف ہوگا تو علم حدیث تک رسائی اس کے لیے مشکل ہوگی)۔(۱)

## دورۂ حدیث کے طلبہ کے لیے چند نصائح:

ایک دورۂ حدیث کا طالب علم اپنی درسیات یعنی صحاح ستہ وغیرہ کے لیے کس طرح محنت وکوشش کرے؟ کیسے مطالعہ کرے؟ اولاً دورۂ حدیث کے طالب علم کو یکسو ہونا چاہیے، اس کا کوئی شغل نہ ہو، نیز اس کے لیے کم از کم ۲/سال چاہیے، مگر چوں کہ مدارس وجامعات کی ایک

(۱) عجالۃ المبتدی: ص ۳

ترتیب ہوتی ہے، اہل مدارس کے پیشِ نظر بہت سے مصالح ہوتے ہیں، اس لیے وہ اپنی ترتیب کے مطابق اپنے طلبہ کو چلانا چاہتے ہیں۔ بہر حال؛ ان سب چیزوں کے ساتھ آپ کیسے صحاح ستہ وغیرہ کا کامیاب و منتج مطالعہ کر سکتے ہیں؟ میں آپ کے سامنے از حد اختصار کے ساتھ صحاح ستہ پڑھنے کا طریقہ ان کے چند خصائص و امتیازات کی روشنی میں بیان کرتا ہوں۔

## صحیح البخاری:

یہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ کی کتاب ہے، اس کا نام ہے: ”الجامع المسند الصحیح المختصر من أمور رسول الله ﷺ وسننه وأيامه“۔ آپ بخاری کے مبادیات میں بخاری کے فضائل، ترتیب و تدوین کا طرز، وجہ تالیف، تعداد احادیث بخاری وغیرہ ابحاث اپنے اساتذہ سے سن چکے ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ مقدمۂ فتح الباری میں تحریر فرماتے ہیں کہ آپ نے اس کتاب کی تالیف کے بعد اسے امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین اور علی بن مدینی کی خدمت میں پیش کیا تو سب نے متفقہ طور پر اس کتاب کو صحیح اور مستحسن قرار دیا۔ صرف چار احادیث کے باب میں اپنا خیال ظاہر کیا، یعنی ان کو صحیح قرار نہیں دیا۔ لیکن عقیلی فرماتے ہیں:

والقول فيها قول البخاري، وهي صحيحة.

(ان چار احادیث کے باب میں امام بخاریؒ ہی کا قول معتبر ہوگا، اور یہ چاروں احادیث صحیح ہیں)۔(۱)

اس کتاب کے فضائل آپ بارہا بہت زیادہ سن چکے ہوں گے، اور اس کتاب کے

---

(۱) فتح الباری: ۱/ ۷

شروح کے مقدمات میں آپ پڑھ چکے ہوں گے یا آئندہ پڑھ لیں گے۔

یہاں صرف ایک بات نقل کرتا ہوں کہ امت میں ایسے قدردان بھی گذرے ہیں جنہوں نے قرآنِ کریم اوراس کے بعد صحیح البخاری کو خالص آبِ زر سے لکھوایا۔ چناں چہ ابومحمد مزنیؒ کے تذکرے میں ہے کہ انہوں نے قرآن کریم اور بخاری شریف کوآب زر سے لکھوایا۔(۱)

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

وأنه كل من يهون أمرهما فهو مبتدع ومتبع غير سبيل المؤمنين.

(جوان دونوں یعنی صحیحین کی توہین کرے گا تو وہ بدعتی ہےاوراس نے وہ راستہ اختیار کیا ہے جو ایمان والوں کا نہیں ہے)۔(۲)

## تراجم بخاری:

بخاری شریف میں سب سے اہم اور قابل حل تراجم بخاری ہے، اسی لیے محدثین کی ایک جماعت نے کہا ہے: "فقه البخاري في تراجمه"۔

حضرت مولانا عاقل صاحب مظاہری دامت برکاتہم نے "الدر المنضود شرح أبي داود" کے مقدمے میں یہ بات ذکر کی ہے کہ "گومشہور یہ ہے کہ تراجم بخاری کی شرح کا قرض

---

(۱) مفتاح دار السعادۃ: ۲ / ۱۱۸

(۲) حجۃ اللہ البالغۃ: ۱ / ۲۳۲

امت کے ذمے ابھی تک باقی چلا آرہا ہے"۔(۱)

اس پر حضرت مولانا رشید نعمانیؒ نے اعتراض کرتے ہوئے فرمایا:

"یہ خوب بات ہے کہ تراجم بخاری کی شرح کا قرض امت کے ذمے باقی ہے، گویا متن کا حق تو ادا ہوگیا، مگر تراجم کا نہیں۔ امتی کے غوامض اقوال نبی علیہ السلام سے بڑھ گئے!! اغراق ومبالغے کی بھی کوئی حد ہے؟؟"

حضرت مولانا عاقل صاحب دامت برکاتہم نے جواباً تحریر فرمایا:

یہ بات جب مقدمے میں لکھی جارہی تھی تو بندے کو بھی کھٹکی تھی۔ مولانا کا اشکال بظاہر اصولاً تو صحیح ہے، لیکن چوں کہ یہ جملہ بعض بڑے اساتذہ کی زبان پر آیا ہے، لہٰذا اس کے مناسب معنی نکال لینے چاہییے کہ پڑھنے والوں کے ذہن میں تراجم بخاری کی اہمیت پیدا کرنے کے لیے، تاکہ وہ ان کے سمجھنے میں کوشش کریں، ایسا فرمادیا ہے۔ اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ احادیث نبویہ تو دراصل کلام الٰہی کی تبیین وتشریح ہیں، "لتبين للناس ما نزل إليهم"، لہٰذا ان کا درجہ تو ایک متن کی شرح کا ہوا، جس میں اغلاق وغموز ہو ہی نہیں سکتا، بخلاف تراجم بخاری کے کہ وہ ایک امتی کا کلام ہے، جس میں مصالح کے پیش نظر غموز رکھا گیا ہے۔(۲)

حضرت شیخ یونس صاحب جونپوریؒ نے ۵۰/سال تک مظاہر علوم میں بخاری شریف کی تدریس کی۔ اس کے باوجود آپ نے کتاب المغازی میں فرمایا کہ امام بخاریؒ نے

---

(۱) الدر المنضود:۱/ ۳

(۲) الدر المنضود:۱/ ۱۰

کتاب المغازی سن وار مرتب بیان کیا ہے، مگر حجۃ الوداع کو غزوۂ تبوک سے مقدم کرنے کی وجہ ابھی تک معلوم نہیں ہو سکی۔

(بندے کے نزدیک تقدیم حجۃ الوداع تبادرِ ذہنی ہے، آپ نے حجۃ الوداع سے قبل مختلف وفود کا ذکر کیا ہے، مثلاً: "باب وفد بني تميم، باب حج أبي بكر بالناس سنة تسع، باب وفد عبدالقيس، باب قصة وفد طي" وغیرہ، یہ مختلف وفود ہیں جو آپ ﷺ کی خدمت میں آئے، ان وفود سے امام بخاریؒ کا ذہن منتقل ہوا اُن جملہ وفود کی طرف جو بیک وقت آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے، اور وہ حجۃ الوداع کا موقع تھا، اس لیے غزوۂ تبوک اگرچہ حجۃ الوداع سے مقدم ہے، لیکن تبادرِ ذہنی کی وجہ سے حجۃ الوداع کو مقدم اور غزوۂ تبوک کو مؤخر کیا)۔

نیز امام بخاریؒ تقطیع کرتے ہیں، یعنی طویل حدیث کے جس جزء سے مسئلہ ثابت ہوتا ہے اسی کو ذکر کرتے ہیں، اور دوسرے جزء کو دوسری جگہ ذکر کرے دوسرا مسئلہ ثابت کرتے ہیں۔ بعض مرتبہ ایک حدیث مختلف مقامات پر ذکر کر کے مختلف مسائل ثابت کرتے ہیں۔ یہ آپ کی ذہانت پر غماز ہے۔ بہر حال؛ بخاری شریف کے تراجم ابواب اور استنباط مسائل میں بے انتہا دقت ہے، لہٰذا اس کی جانب توجہ مبذول کرنے کی ضرورت ہے۔

بخاری شریف کی شروح کئی حضرات نے لکھی ہے: ابوسلیمان بستی، بلقینی، مجد فیروز آبادی، ابن حجر اور عینی کی شروح مشہور و معروف ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بخاری کے تراجم پر ایک کتابچہ لکھا ہے۔

نیز متاخرین میں شیخ احمد علی محدث سہارنپوریؒ کے حواشی قیمتی اور مفید ہونے کے

ساتھ مقبول ومعروف بھی ہیں، ہندوستانی نسخۂ بخاری کے ساتھ مطبوع بھی ہیں۔حضرت شیخ محمد یونس صاحب جونپوریؒ فرماتے تھے کہ بخاری پر میرے حواشی کو شیخ احمد علی محدث سہارنپوریؒ کے حواشی کا تکملہ بنادینا۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے حواشی بنام ”لامع الدراری“، اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے دروس بنام ”فیض الباری“ مطبوع ہیں، اور حضرت شیخ زکریا کاندھلویؒ کی کتاب ”الابواب والتراجم“ بھی حل تراجم بخاری کے لیے از حد مفید ہے۔اور حضرت شیخ محمد یونس صاحب جونپوریؒ کی شرح بخاری ”نبراس الساری الیٰ ریاض البخاری“ سے ایک طالب حدیث کو غافل نہیں رہنا چاہیے۔

## صحیح مسلم:

ابوالحسین مسلم بن حجاجؒ کی کتاب ہے۔اس کتاب کی چند خصوصیات ہیں:

(۱) حسن ترتیب۔ (۲) ایک حدیث کو مختلف طرق سے یکجا ذکر کرنا۔ (۳) ”حدثنا“ ”حدثني“ اور ”أخبرنا“ ”أخبرني“ کے فرق کو ملحوظ رکھنا۔ (۴) جب ایک ہی مفہوم کی حدیث دوراویوں سے باختلاف الفاظ ذکر کرتے ہیں تو صرف ایک سند پر اکتفا کرتے ہیں اور ”واللفظ لفلان“ سے اشارہ کرتے ہیں۔ (۵) شدت تحری، غایت احتیاط اور حسنِ صداقت کا عالم یہ ہے کہ اپنے استاذ سے جتنا سنا اتنا ہی نقل کرتے ہیں، حتی کہ سند میں بھی اس کا لحاظ رکھتے ہیں۔ جب سند میں راوی کی ولدیت اپنے استاذ سے نہیں سنی تو اسے ”وهو“ کے بعد ذکر کرتے ہیں۔مثلاً: حدثنا سليمان بن بلال عن يحيىٰ وهو ابن سعيد. (۶) صرف مرفوع احادیث کو ذکر کیا ہے، موقوفات شاذ ونادر ضمناً آگئی ہیں۔

(۷) معلقات کی تعداد بخاری کے مقابلے میں کم ہیں (صرف ۱۴/ ہیں)۔ (۸) صحیح مسلم کی ایک خصوصیت مقدمۂ مسلم ہے، جسے ہر طالب حدیث کو بحسن وخوبی حل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

شروح مسلم میں نووی کی شرح بنام "المنہاج فی شرح صحیح مسلم بن الحجاج" کافی ووافی ہے۔ مسلم شریف کے بہت سے شراح ہیں، چناں چہ علامہ نوویؒ کے علاوہ علامہ قونویؒ، علامہ مازریؒ، علامہ قرطبی، ملا علی قاری، علامہ سیوطی، اور متاخرین میں سے مفتی شبیر احمد عثمانیؒ، اور مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم نے مسلم شریف کی شرح لکھی ہے۔

## بخاری ومسلم کا درجہ:

جمہور کا اس پر اجماع ہے کہ بخاری مسلم سے اصح ہے۔ حافظ عراقیؒ نے اپنی الفیہ میں نقل کیا ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| أول من صنف في الصحيح | | محمد وخص بالترجيح |
| ومسلم بعد وبعض الغرب مع | | أبي علي فضلوا ذا وقع |

ابو علی حسین بن علی نیسا پوری اور بعض مغاربہ نے صحیح مسلم کو بخاری پر ترجیح دی ہے۔

ابو علی نیسا پوری کا جملہ مشہور ہے: "ما تحت أديم السماء كتاب أصح من كتاب مسلم"۔

بعض حضرات نے اس کا جواب دیا ہے کہ ان کی مراد اصحیت نہیں ہے، بلکہ افضلیت ہے، اور افضلیت اصحیت کو مستلزم نہیں ہے۔ بعض نصوص کی روشنی میں بعض حضرات نے کہا کہ ابو علی کی مراد یہ ہے کہ حسن ترتیب اور جودت تنسیق میں مسلم بخاری سے

افضل ہے۔حافظ ابن حجرؒ نے بھی اپنی "نخبۃ" میں اس کو ذکر کیا ہے۔

اور حافظ نے ایک جواب یہ دیا کہ ابوعلی کی مراد مسلم کی اصحیت دیگر کتابوں کی بہ نسبت ہے، بخاری کی بہ نسبت نہیں۔یعنی دیگر کتابیں اصحیت میں مسلم کے برابر نہیں ہوسکتیں، البتہ بخاری اصحیت میں مسلم کے مساوی ہے، گویا بخاری کے ساتھ مساوات کی آپ نے نفی نہیں کی۔(۱)

اور بعض حضرات نے ایک بات یہ کہی ہے کہ ممکن ہے؛ ابوعلی کو بخاری شریف نہ پہنچی ہو، اس لیے انہوں نے مسلم کو اصح کہہ دیا، مگر یہ ثابت نہیں، اور یہ ساری احتمالی باتیں ہیں، جو قابل اعتبار نہیں۔

امام شافعیؒ فرماتے تھے:

ما أعلم في الأرض كتابا أكثر صوابا من كتاب مالك.(۲)

علامہ ابن صلاح نے فرمایا کہ امام شافعیؒ نے یہ بات بخاری شریف کے منظر عام پر آنے سے پہلے کہی تھی۔(۳) اور یہ بات معقول بھی ہے، اس لیے کہ امام مالکؒ بخاری سے بہت مقدم ہیں۔

## سنن الترمذی:

ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ ترمذیؒ کی کتاب ہے۔اس کا نام ہے: " الجامع

---

(۱) نزہۃ النظر: ۱/ ۶۲

(۲) مناقب الامام الشافعی: ۱/ ۸۹

(۳) مقدمۃ ابن الصلاح: ص ۱۸، الباعث الحثیث: ص ۳۰

المختصر من السنن عن رسول الله ﷺ ومعرفة الصحيح والمعلول وما عليه العمل"۔

سنن ترمذی کے بہت سے نسخے ہیں، جن میں شیخ احمد محمد شاکر کا نسخہ بہت معتمد ہے۔ آپ نے اپنے تحقیق شدہ ترمذی کے مقدمے میں سنن ترمذی کی ۳؍خصوصیات بیان کی ہیں:

(۱) امام ترمذیؒ طرقِ حدیث کو "وفي الباب عن فلان وفلان وفلان" کہہ کر مختصراً ایک جگہ جمع کر دیتے ہیں، اور بعض مرتبہ ایک حدیث مختصراً ذکر کرکے "وفي الحديث قصة" کہہ کر مکمل روایت کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔

(۲) صحابۂ کرام، تابعین اور فقہاء کے مذاہب نقل کرتے ہیں، یہ ان کی سعۃِ اطلاع اور وسعت علم کی دلیل ہے۔

(۳) تحکیم بھی آپ کی خصوصیت ہے۔ یعنی آپ حدیث کو ذکر کرنے کے بعد حدیث پر حکم لگاتے ہیں۔ "حديث صحيح، حديث حسن، حديث حسن صحيح" وغیرہ وغیرہ۔

شروح ترمذی میں علامہ ابن العربی کی عارضۃ الاحوذی، علامہ سیوطی کی قوت المقتذی، علامہ بلقینی کی العرف الشذی، علامہ کشمیری کی العرف الشذی، علامہ بنوری کی معارف السنن، اور مولانا یحییٰ کاندھلوی - رحمہم اللہ تعالیٰ - کی الکوکب الدری وغیرہ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

## سنن أبي داود:

یہ سلیمان بن اشعث سجستانیؒ کی کتاب ہے۔

آپ امام فقہ ہیں، امام ابواسحاق شیرازیؒ نے "طبقات الفقہاء" میں اصحاب صحاح ستہ میں سے صرف امام ابوداود کو ذکر کیا ہے۔

ابوحاتم کا بیان ہے کہ وہ فقہ وعلم، ورع وتقویٰ اور حفظ وضبط کے اعتبار سے دنیا کے اماموں میں سے ایک تھے۔(۱)

حاکم فرماتے ہیں: آپ اپنے زمانے میں اہل حدیث (محدثین) کے بلامقابلہ امام تھے۔(۲)

امام ترمذیؒ اور امام نسائیؒ آپ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ نیز آپ کے شیخ امام احمد بن حنبلؒ نے آپ سے حدیث عتیرۃ روایت کی ہے۔

آپ کی یہ کتاب احکام ومسائل سے متعلق روایات پر مشتمل ہے۔

فقہی احادیث کا جتنا ذخیرہ اس کتاب میں ہے اتنا کسی اور کتاب میں نہیں ہے۔ اس کتاب کی تالیف کے مقاصد میں جمیع مذاہب کی روایات کو جمع کرنا ہے، اسی وجہ سے آپ نے ان تمام روایات کو یکجا کیا ہے جن سے فقہاء امصار نے استدلال کیا ہے۔

حافظ ابوجعفر غرناطیؒ تحریر فرماتے ہیں: "ولأبي داود في حصر أحاديث الأحكام واستيعابها ما ليس لغيره"۔(۳)

اور علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ یہ کتاب فقہاء اور مجتہدین کے اختلاف میں حَکَم اور حجت ہے۔ فرماتے ہیں: "وعليه مُعَوَّل أهل العراق وأهل مصر وبلاد

---

(۱) تہذیب الکمال: ۱۱/ ۳۶۸

(۲) سیر أعلام النبلاء: ۱۳/ ۲۱۲

(۳) تدریب الراوی: ۱/ ۱۸۷

المغرب وكثير من مدن أقطار الأرض"۔(۱)

آپ نے صحیح الاسناد، قوی، متصل اور مرفوع احادیث ذکر کرنے کا حتی الامکان اہتمام کیا ہے۔ نیز اس کتاب کا "قال أبوداود" ایک حل طلب مسئلہ ہے، جو بہت زیادہ قابل توجہ ہے۔

ابوداود شریف کی شروح میں شرح ابن رسلان، خطابی کی معالم السنن، ابن قیم کی تہذیب سنن أبي داود، اور حضرت سہارنپوری کی بذل المجہود قابل مطالعہ ہیں، اور حضرت مولانا عاقل صاحب مظاہری دامت برکاتہم کی الدر المنضود بھی حل ابوداود میں بے انتہا کارآمد ہے۔

## سنن النسائی:

یہ احمد بن شعیب النسائیؒ کی کتاب ہے۔ آپ کی خصوصیات میں شدت تحری اور کثرت احتیاط ہے۔ جب آپ اپنے استاذ حارث بن مسکین کی روایات ذکر کرتے ہیں تو "قراءة عليه وأنا أسمع" کہہ کر ذکر کرتے ہیں، اس لیے کہ حارث بن مسکین کے ساتھ کوئی ایسا مسئلہ پیش آ گیا تھا جس سے ان کو ناگواری ہوئی تھی، تو انہوں نے آپ کو دروس میں شرکت سے منع کر دیا تھا، مگر آپ دروس میں اس طرح شریک ہوتے کہ حارث بن مسکین کو پتہ نہیں چلتا تھا، اس لیے آپ نے ان تمام روایات کو جو آپ نے اس حالت میں سنی؛ "قراءة عليه وأنا أسمع" کہہ کر بیان کیا۔

امام نسائیؒ نے سند اور متن پر محدثانہ نقطۂ نظر سے اپنی رائے کی وضاحت کے ساتھ

---

(۱) معالم السنن: ۱/۶

بہت سارے رواۃ پر جرح وتعدیل کا کام کیا ہے۔

آپ نے صحت حدیث اور کثرت طرق کے ساتھ تبویب، اور تفقہ میں امام بخاری کا انداز اختیار کیا ہے۔

نیز سنن نسائی میں صحیح مسلم کی طرح اختلاف طرق وروایات کا ذکر ہے، جس میں صراحتاً اور عملاً ترجیح کے پہلو نظر آتے ہیں۔

آپ امام بخاری کی طرح ایک حدیث سے مختلف مسائل مستنبط کرتے ہیں، اسی وجہ سے ایک ہی حدیث مختلف مقامات پر ذکر کرتے ہیں۔ چناں چہ "إنما الأعمال بالنيات" ۱۶/مقامات پر ذکر کی ہے۔

سند یا متن کی صحت کے لیے "هذا خطأ والصواب كذا" کے کلمات استعمال کرتے ہیں۔

رواۃ کے اسماء وکنیٰ کے باب میں معلومات فراہم کرتے ہیں۔

علل حدیث پر بھی گفتگو کرتے ہیں۔ حافظ ذہبیؒ نے فن علل میں آپ کا امام بخاری اور امام ابوزرعۃ رازیؒ کا ہمسر قرار دیا ہے۔

بعض مقامات پر تقطیع اور تحکیم بھی کرتے ہیں۔

آپ حدیث صحیح کو ذکر کرنے کے بعد ایسی احادیث ذکر کرتے ہیں جو صحت کے اعتبار سے کمزور ہوتی ہیں، اور ان احادیث کو لانے کی وجہ ان زیادات کو ذکر کرنا ہے جو حدیث صحیح میں نہیں ہیں۔

حل نسائی کے لیے علامہ سیوطی کی زہر الربیٰ، علامہ سندھی کا حاشیہ، حضرت گنگوہی کی

الفیض السمائی وغیرہ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔اور متاخرین میں ہمارے شیخ اور مجیز شیخ محمد بن علی بن آدم اتیوبی دامت برکاتہم کی ذخیرۃ العقبیٰ جو تقریباً ۴۲ جلدوں میں بہت کافی ووافی ہے۔

## سنن ابن ماجہ:

ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ قزوینیؒ کی کتاب ہے۔

آپ نے اپنی کتاب کی ابتدا احادیث نبویہ کی فضیلت، اتباع سنت اور فضائل صحابہ وغیرہ پر مشتمل مقدمے سے کی ہے۔یہ سنن ابن ماجہ کی امتیازی خصوصیت ہے۔

ترتیب میں حسن وجودت ہے، اختصار مدنظر ہے، احادیث میں تکرار نہیں ہے۔

اس کتاب میں کچھ ایسے زوائد ہیں جو دیگر کتب صحاح اور سنن میں مفقود ہیں۔امام مزیؒ فرماتے ہیں: تفردات ابن ماجہ اکثر و بیشتر ضعیف ہیں۔ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں امام ابن تیمیہؒ سے یہی بات نقل کی ہے۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

بل هناك أحاديث نبهت عليها وهي صحيحة، وهی مما تفرد بها ابن ماجه.()

یعنی تمام زوائد ابن ماجہ ضعیف نہیں ہیں، بلکہ ان میں صحیح احادیث بھی ہیں، جن کی نشان دہی میں کر چکا ہوں۔

سنن ابن ماجہ کے راوی ابوالحسن القطان نے تمام احادیث اپنی سند سے روایت کی ہیں، وہ اپنے بعض اقوال کسی لفظ کی تشریح یا کسی مسئلے کی توجیہ میں ذکر کرتے ہیں، نیز کسی حدیث کی ایک سے زائد اسانید بھی ذکر کرتے ہیں، جس کا مقصد علو سند کو بیان کرنا ہے۔

بہر حال! صحیح بخاری کے تراجم کو اچھی طرح حل کریں، مسلم شریف کے مقدمے کو حل کریں، ابوداود میں "قال أبوداود" کو حل کریں، سنن ترمذی مکمل شرح وبسط سے مذاہب ائمہ کے حفظ کے ساتھ پڑھیں، سنن نسائی کے طرز کو سمجھیں اور زوائد کو حل کریں، اور ابن ماجہ کا مقدمہ اور زوائد ابن ماجہ کو حل کریں۔ اور شرح معانی الآثار میں دلیل عقلی اچھی طرح یاد رکھیں۔ اگر آپ نے یہ تمام کتابیں اس انداز سے پڑھیں تو امید ہے کہ ایک سال میں آپ صحاح ستہ اچھی طرح سمجھیں گے اور صحاح ستہ سمجھنے کے بعد موطائین کو حل کرنا بہت آسان ہوگا۔

## درجات کتب:

(۱) صحیح البخاری۔ (۲) صحیح مسلم۔ (صرف بعض مغاربہ کا اختلاف ہے)

صاحب کشف الظنون نے ترمذی کو تیسرے نمبر پر بیان کیا ہے۔[۱]

علامہ خولیؒ نے مفتاح السنۃ میں سنن نسائی کو تیسرے نمبر پر ذکر کیا ہے۔[۲]

شیخ زاہد الکوثریؒ نے شروط الائمۃ الستۃ کی تعلیق میں لکھا ہے:

وليس بقليل من يفضل كتاب النسائي الصغير على سنن أبي داود.[۳]

(نسائی کو ابوداود پر فضیلت دینے والے لوگ کم نہیں ہیں)۔

---

(۱) کشف الظنون: ۱/ ۵۵۹

(۲) مفتاح السنۃ: ص ۸۷

(۳) شروط الائمۃ الستۃ: ص ۱۹

ابوالفضل ابن طاہر مقدسی نے "شروط الأئمة الستة" میں تیسرے نمبر ابوداؤد، چوتھے پر ترمذی، پانچویں پر ابن ماجہ اور چھٹے پر نسائی کو ذکر کیا ہے۔

علامہ حازمیؒ نے "شروط الائمة الخمسة" میں تیسرے نمبر پر ابوداود، پھر ترمذی اور پھر نسائی کو ذکر کیا ہے۔

## صحاح ستہ میں چھٹی کتاب:

صحاح ستہ کی مشہور اصطلاح میں پانچ کتابیں متفق علیہ ہیں، مگر چھٹی کتاب کے باب میں اختلاف ہے، کیا چھٹی کتاب ابن ماجہ ہے یا موطأ ہے یا سنن دارمی ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔

امیر صنعانیؒ نے ابن حجر کی فہرست میں یہ بات نقل کی ہے کہ ابن ماجہ نے جن روایات میں تفرد اختیار کیا ہے وہ ضعیف ہیں، اس لیے ان کو صحاح ستہ میں شمار نہیں کرنا چاہیے۔

سب سے پہلے حافظ ابوالفضل ابن طاہر مقدسیؒ نے سنن ابن ماجہ کو اپنی ۲/کتابوں "أطراف الكتب الستة" اور "شروط الأئمة الستة" میں داخل کیا۔اس کے بعد حافظ ابن عساکرؒ نے ان کی اتباع میں ابن ماجہ کو "أطراف السنن الأربعة" میں داخل کیا۔اس کے بعد امام مزیؒ نے ابن ماجہ کو "زيادات خلف الواسطي" اور "زيادات أبي مسعود الدمشقي" کے ساتھ ملا کر "تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف" کا جزء بنادیا۔اور حافظ ابن عساکرؒ نے ائمۂ ستہ کے شیوخ پر مشتمل کتاب "المعجم المسند" میں ابن ماجہ کو چھٹے امام کے طور پر متعارف کرایا ہے۔اس کے بعد حافظ عبدالغنی مقدسیؒ نے "الإكمال في أسماء الرجال" میں یہی ترتیب باقی رکھی،

اور امام ذہبیؒ نے اس کتاب کی تہذیب "تهذيب الكمال" میں اسی ترتیب کو اختیار کیا ہے۔ پھر رزین بن معاویہ عبدریؒ نے اپنی کتاب "تجريد الصحاح والسنن" میں موطأ مالک کو صحاح ستہ میں داخل کیا ہے۔ اور ابن الاثیر نے "جامع الأصول" میں ان کی متابعت کی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ، مغلطای، صلاح الدین علائی، نووی، ابن الصلاح وغیرہم نے سنن دارمی کو چھٹی کتاب قرار دیا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مشارقہ اور اکثر علماء کے نزدیک ابن ماجہ چھٹی کتاب ہے، اور مغاربہ، رزین بن معاویہ اور ابن الاثیر کے نزدیک چھٹی کتاب موطأ مالک ہے، اور ابن الصلاح، نووی، علائی، ابن حجر، مغلطای وغیرہم کے نزدیک چھٹی کتاب سنن الدارمی ہے۔ ان چھ کتابوں کو "کتب ستہ"، "صحاح ستہ"، اور "الأمهات الست" کہا جاتا ہے۔

بعض حضرات "صحاح ستہ" کے بجائے "صحاح سبعہ" کے قائل ہیں، ان میں سے بعض نے ابن ماجہ کے ساتھ موطأ کو، اور بعض نے سنن الدارمی کو شامل کیا ہے۔ جیسا کہ علامہ محمد بن جعفر کتانیؒ نے "الرسالة المستطرفة" میں اسے ذکر کیا ہے۔

## ائمۂ ستہ، سبعہ، ثمانیہ، تسعہ، عشرہ:

ایک اور بات "الشيء بالشيء يذكر" کے تحت ذکر کرتا چلوں؛ کہ محدثین ان کتب صحاح ستہ کے مصنفین کو مختصراً ائمۂ ستہ کہتے ہیں۔ مگر بعض مرتبہ محدثین ائمۂ سبعہ یا ائمۂ ثمانیہ یا ائمۂ تسعہ یا ائمۂ عشرہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ ائمۂ سبعہ سے مراد ائمۂ ستہ مذکورہ کے ساتھ رزین بن معاویہ عبدری ہوتے ہیں، اور ائمۂ ثمانیہ میں آٹھویں نمبر پر ابو عبد اللہ محمد بن ابی نصر حمیدی، اسی طرح ائمۂ تسعہ میں نویں نمبر پر یا تو ابو بکر برقانی یا ابو مسعود

دمشقی، جب کہ ائمۂ عشرہ میں دسویں نمبر پر یہ دونوں (ابوبکر برقانی اور ابومسعود دمشقی) شامل ہوتے ہیں۔(۱)

بس اسی پر میں اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

(۱) مفتاح السعادۃ: ۲/ ۱۲۴